

حضرت مسیح موعودؑ کی احباب جماعت کو پسند و نصائح

(ملفوظات جلد 10 ایڈیشن 1984ء)

(تقریر نمبر 5)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

(البقرہ: 156-157)

اور ہم ضرور تمہیں کچھ خوف اور کچھ بھوک اور کچھ اموال اور جانوں اور پھلوں کے نقصان کے ذریعہ آزمائیں گے۔ اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دیدے۔ ان لوگوں کو جن پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں ہم یقیناً اللہ ہی کے ہیں اور ہم یقیناً اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

سب خیر ہے اسی میں کہ اُس سے لگاؤ دل
ڈھونڈو اسی کو یارو! بتوں میں وفا نہیں
اس جائے پُر عذاب سے کیوں دل لگاتے ہو
دوزخ ہے یہ مقام یہ بُستاں سرا نہیں

معزز سامعین! اللہ تعالیٰ کے فضل سے ”مشاہدات“ کو ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دس جلدوں میں سے احباب جماعت کے نام پسند و نصائح کو 75 تقریروں میں جمع کرنے کی توفیق ملی ہے۔ الحمد للہ علی ذالک۔ آج سامعین کے سامنے جلد 10 کی پانچویں تقریر پیش کی جا رہی ہے۔

نماز میں حلاوت

فرمایا:

”اگر تم اپنی نماز کو باحلاوت اور پُر ذوق بنانا چاہتے ہو تو ضروری ہے کہ اپنی زبان میں کچھ نہ کچھ دعائیں کرو مگر اکثر یہی دیکھا گیا ہے کہ نمازیں تو ٹکریں مار مار کر پوری کر لی جاتی ہیں پھر لگتے ہیں دعائیں کرنے۔ نماز تو ایک ناحق کائیکس ہوتا ہے اگر کچھ اخلاص ہوتا ہے تو نماز کے بعد میں ہوتا ہے۔ یہ نہیں سمجھتے کہ نماز تو خود دعا کا نام ہے جو بڑے عجز، انکسار، خلوص اور اضطراب سے مانگی جاتی ہے بڑے بڑے عظیم الشان کاموں کی کُنجی صرف دعائی ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل کے دروازے کھولنے کا پہلا مرحلہ دعائی ہے۔“

نماز کو رسم اور عادت کے رنگ میں پڑھنا مفید نہیں بلکہ ایسے نمازیوں پر تو خود خدا تعالیٰ نے لعنت اور وِیل بھیجا ہے چہ جائیکہ ان کی نماز کو قبولیت کا شرف حاصل ہو۔ وِیلٌ لِّلْمُصَلِّينَ (الماعون: 5) خود خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یہ ان نمازیوں کے حق میں ہے جو نماز کی حقیقت سے اور اس کے مطالب سے بے خبر ہیں۔ صحابہؓ تو خود عربی زبان رکھتے تھے اور اس کی حقیقت کو سمجھتے تھے مگر ہمارے واسطے یہ ضروری ہے کہ اس کے معانی سمجھیں اور اپنی نماز میں اس طرح حلاوت پیدا کریں مگر ان لوگوں نے تو ایسا سمجھ لیا ہے جیسے کہ دوسرا نبی آگیا ہے اور اس نے گویا نماز کو منسوخ ہی کر دیا ہے۔“

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 412)

”میں ایک ضروری نصیحت کرتا ہوں۔ کاش! لوگوں کے دل میں پڑ جاوے۔ دیکھو! عمر گزری جا رہی ہے غفلت کو چھوڑ دو اور تضرع اختیار کرو۔ اکیلے ہو ہو کر خدا تعالیٰ سے دعا کرو کہ خدا ایمان کو سلامت رکھے اور تم پر وہ راضی اور خوش ہو جائے۔

انسان کے واسطے ترقی کرنے کے دو ہی طریقے ہیں۔ اول۔ تو انسان تشریحی احکام یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ تکالیف شرعیہ کی پابندی سے جو کہ خدا کے حکم کے موجب خود بجالاتا ہے مگر یہ امور چونکہ انسان کے اپنے ہاتھ میں ہوتے ہیں اس لیے کبھی ان میں سستی اور تساہل بھی کر بیٹھتا ہے اور کبھی ان میں کوئی آسانی اور آرام کی صورت ہی پیدا کر لیتا ہے لہذا دوسرا وہ طریقہ ہے جو براہ راست خدا تعالیٰ کی طرف سے انسان پر وارد ہوتا ہے اور یہی انسان کی اصلی ترقی کا باعث ہوتا ہے کیونکہ تکالیف شرعیہ میں انسان کوئی نہ کوئی راہ بچاؤ یا آرام و آسائش کی نکال ہی لیتا ہے۔ دیکھو! کسی کے ہاتھ میں تازیانہ دے کر اگر اُسے کہا جاوے کہ اپنے بدن پر مارو تو قاعدہ کی بات ہے کہ آخر اپنے بدن کی محبت دل میں آ ہی جاتی ہے۔ کون ہے جو اپنے آپ کو دکھ میں ڈالنا چاہتا ہے؟۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے انسانی تکمیل کے واسطے ایک دوسری راہ رکھ دی اور فرمایا۔ وَلَنبَلُوْنَكُمْ بِمَهْمَىٰ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالشَّمْرِتِ وَبَشِيرِ الضُّبْرِیْنَ۔ الَّذِیْنَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِیْبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَیْهِ رَاجِعُونَ (البقرہ: 156-157)۔ ہم آزماتے رہیں گے تم کو کبھی کسی قدر خوف بھیج کر، کبھی فاقہ سے کبھی مال جان اور پھلوں پر نقصان وارد کرنے سے مگر ان مصائب شدید اور فکر و فاقہ پر صبر کر کے إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَیْهِ رَاجِعُونَ کہنے والوں کو بشارت دے دو کہ ان کے واسطے بڑے بڑے اجر خدا تعالیٰ کی رحمتیں اور اس کے خاص انعامات مقرر ہیں۔ دیکھو! ایک کسان کس قدر محنت اور جانفشانی سے قبیلہ رانی کر کے زمین کو درست کر تا پھر تخم ریزی کرتا آپاشی کی مشکلات جھیلتا ہے۔ آخر جب طرح طرح کی مشکلات محتوں اور حفاظتوں کے بعد کھیتی تیار ہوتی ہے تو بعض اوقات خدا تعالیٰ کی باریک در باریک حکمتوں سے ژالہ باری ہو جاتی یا کبھی خشک سالی ہی کی وجہ سے کھیتی تباہ و برباد ہو جاتی ہے غرض یہ ایک مثال ہے ان مشکلات کی جن کا نام تکالیف قضا و قدر ہے ایسی حالت میں مسلمانوں کو جو پاک تعلیم دی گئی ہے وہ کیسی رضا بالقضاء کا سچا نمونہ اور سبق ہے اور یہ بھی صرف مسلمانوں ہی کا حصہ ہے۔ آریہ جو کہ روح اور ذات مع ان کے خواص کے خود بخود اور خدا کی طرح ازلی ابدی مانتے ہیں وہ کیوں کر إِنَّا لِلَّهِ کہہ سکتے ہیں اور یہ توفیق ان کو کیسے نصیب ہو سکتی ہے۔

غرض تکالیف دو قسم کی ہیں ایک حصہ تو وہ ہے جو احکام پر مشتمل ہے جن میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ داخل ہیں ان میں کسی قدر عذر اور حیلے وغیرہ کی بھی گنجائش ہے اور جب تک پورا اخلاص اور کامل یقین نہ ہو انسان ان سے کسی نہ کسی قدر بچنے کی یا آرام کی صورت پیدا کرنے کی کوئی نہ کوئی راہ نکال ہی لیتا ہے۔ پس اس طرح کی کوئی کسر جو انسانی کمزوری کی وجہ سے رہ گئی ہو اس کسر کے پورا کرنے واسطے اللہ تعالیٰ نے تکالیف قضا و قدر رکھ دی ہیں تاکہ انسانی فطرت کی کمزوری کی وجہ سے جو کمی رہ گئی ہو خدا تعالیٰ کے فضل کے ہاتھ سے پوری ہو جاوے تکالیف قضا و قدر کا نام آریہ لوگ پہلی جون کا پھل رکھتے ہیں مگر ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ اگر ایسا ہی ہے تو پھر تمہارے جپ تپ کس مرض کی دعا ہیں اگر آسمانی تکالیف تمہارے پہلے اعمال کا نتیجہ ہیں تو کیوں ایک اور عذاب جپ تپ کی مصیبت میں پڑ کر اپنے واسطے پیدا کرتے ہو۔

غرض یہ دونوں سلسلے کہ کبھی انسان تکالیف شرعیہ کی پابندی کر کے اپنے ہاتھوں اور کبھی قضا و قدر کے آگے گردن جھکاتا ہے اس واسطے ہیں کہ انسان کی تکمیل ہو جاوے۔ اسی کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ۔ (البقرہ: 113)۔ یعنی اسلام کیا ہے یہی کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس کی رضا کے حصول کے واسطے گردن ڈال دینا ابتلاؤں کا ہیبت ناک نظارہ لڑائی میں ننگی تلواروں کی چمک اور کھٹا کھٹ کی طرح آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ جان جانے کا اندیشہ ہے مگر کسی بات کی پروا نہ کر کے خدا کے واسطے یہ سب کچھ اپنے نفس پر وارد کر لینا۔ یہ ہے اسلام کی تعلیم کالب لباب۔ دوسرا حصہ خلق اللہ اور حق العباد کے متعلق ہے اس کے متعلق قرآنی تعلیم یوں بیان ہوئی ہے إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ (النحل: 91)۔ پہلے فرمایا کہ عدل کرو۔ پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر فرمایا احسان کا بھی خدا تعالیٰ نے تم کو حکم کیا ہے یعنی صرف اس سے نیکی نہ کرو جس نے تم سے نیکی کی ہو بلکہ احسان کے طور پر بھی جو کہ کوئی حق نہ رکھتا ہو کہ اس سے نیکی کی جاوے اس سے بھی نیکی کرو مگر احسان میں بھی ایک قسم کا باریک نقص اور مخفی تعلق اس شخص سے رہ جاتا ہے جس سے احسان کیا گیا ہے کیونکہ کبھی کسی موقع پر اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جائے جو اس محسن کے خلاف طبیعت ہو یا نافرمانی کر بیٹھے تو محسن ناراض ہو کر اس کو احسان فرموش یا نمک حرام وغیرہ کہہ دے گا اور اگرچہ وہ شخص اس بات کو دبانے کی کوشش بھی کرے گا مگر پھر بھی اس میں ایک ایسا مخفی اور باریک رنگ میں نقص باقی رہ جاتا ہے کہ کبھی نہ کبھی ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔ اسی واسطے

اس نقص اور کمی کی تلافی کرنے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ احسان سے بھی اگے بڑھو اور ترقی کر کے ایسی نیکی کرو کہ وہ ابتداء ذی القربى کے رنگ میں رنگین ہو یعنی جس طرح سے ایک ماں اپنے بچے سے نیکی کرتی ہے ماں کی اپنے بچے سے محبت ایک طبعی اور فطری تقاضا پر مبنی ہے نہ کہ کسی طمع پر۔ دیکھو! بعض اوقات ایک ماں 60 برس کی بڑھیا ہوتی ہے اس کو کوئی توقع خدمت کی اپنے بچے سے نہیں ہوتی کیونکہ اس کو کہاں یہ خیال ہوتا ہے کہ میں اس کے جوان اور لائق ہونے تک زندہ بھی رہوں گی۔ غرض ایک ماں کا اپنے بچے سے محبت کرنا بلا کسی خدمت یا طمع کے خیال کے فطرتِ انسانی میں رکھا گیا ہے۔ ماں خود اپنی جان پر دکھ برداشت کرتی ہے مگر بچے کو آرام پہنچانے کی کوشش کرتی ہے خود گیلی جگہ پر لیٹی ہے اور اسے خشک حصّہ بستر پر جگہ دیتی ہے بچہ بیمار ہو جائے تو راتوں کو جاگتی اور طرح طرح کی تکالیف برداشت کرتی ہے۔ اب بتاؤ کہ ماں جو کچھ اپنے بچے کے واسطے کرتی ہے اس میں تصّحّ اور بناوٹ کا کوئی بھی شعبہ پایا جاتا ہے؟

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ احسان کے درجہ سے بھی اگے بڑھو اور ابتداء ذی القربى کے مرتبہ تک ترقی کرو اور خلق اللہ سے بغیر کسی اجریا نفع و خدمت کے خیال کے طبعی اور فطری جوش سے نیکی کرو۔ تمہاری خلق اللہ سے ایسی نیکی ہو کہ اس میں تصّحّ اور بناوٹ ہرگز نہ ہو۔ ایک دوسرے موقع پر یوں فرمایا ہے۔ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكْرًا (الدھر: 10)۔ یعنی خدا رسیدہ اور اعلیٰ ترقیات پر پہنچے ہوئے انسان کا یہ قاعدہ ہے کہ اس کی نیکی خالص اللہ ہوتی ہے اور اس کے دل میں یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ اس کے واسطے دعا کی جاوے یا اس کا شکر یہ ادا کیا جاوے۔ نیکی محض اس جوش کے تقاضا سے کرتا ہے جو ہمدردی بنی نوع انسان کے واسطے اس کے دل میں رکھا گیا ہے ایسی پاک تعلیم نہ ہم نے تورات میں دیکھی ہے اور نہ انجیل میں۔ ورق ورق کر کے ہم نے پڑھا ہے مگر ایسی پاک اور مکمل تعلیم کا نام و نشان نہیں۔ اس وقت دنیا میں تاریکی بہت پھیلی ہوئی ہے۔ خدا تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرنے کے واسطے جو قوت درکار ہے اس میں بہت کمزوری ہے۔ خدا تعالیٰ کی یہ قدیم سے عادت چلی آئی ہے کہ جب دنیا میں گناہ کی ظلمت پھیل جاتی ہے لوگ زندگی کے مقصد اصلی سے دور جا پڑتے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ خود اپنی طرف سے ایمانوں کو تازہ کرنے کے واسطے انتظام کرتا ہے اور مصلح اور مجدد مبعوث کرتا ہے۔ سفلی ریفارمر اس وقت کچھ نہیں کر سکتے۔ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ لوگوں ہی کا یہ منصب ہوتا ہے کہ دلوں پر قابو پا کر ان میں پاک زندگی پیدا کر جاتے ہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے روحانی اصلاح کے لیے مقرر ہونے والے لوگ چراغ کی طرح ہوتے ہیں اسی واسطے قرآن شریف میں آپ کا نام دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ وَبِهَاجًا مُّنِيذًا آیا ہے۔ دیکھو! کسی اندھیرے مکان میں جہاں سو پچاس آدمی ہوں گے اگر ان میں سے ایک کے پاس چراغ روشن ہو تو سب کو اس کی طرف رغبت ہوگی اور چراغ ظلمت کو پاش پاش کر کے اُجالا اور نور کر دے گا۔“

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 413-417)

میرا دعویٰ کیا ہے

فرمایا:

”میرا دعویٰ صرف یہ ہے کہ موجودہ مفاسد کے باعث خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے اور میں اس امر کا انخفا نہیں کر سکتا کہ مجھے مکالمہ مخاطبہ کا شرف عطا کیا گیا ہے اور خدا تعالیٰ مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے اور کثرت سے ہوتا ہے اسی کا نام نبوت ہے مگر حقیقی نبوت نہیں مباء ایک عربی لفظ ہے جس کے معنی خبر کے ہیں اب جو شخص کوئی خبر خدا تعالیٰ سے پا کر خلق پر ظاہر کرے گا اس کو عربی میں نبی کہیں گے۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ ہو کر کوئی دعویٰ نہیں کرتا یہ تو نزاع لفظی ہے۔ کثرت مکالمہ مخاطبہ کو دوسرے الفاظ میں نبوت کہا جاتا ہے۔ دیکھو! حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ قول کہ قُولُوا اِنَّهُ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ وَلَا تَقُولُوا لَنْبِيٍّ بَعْدَكَ اِس امر کی صراحت کرتا ہے۔ نبوت اگر اسلام میں موقوف ہو چکی ہے تو یقیناً جانو کہ اسلام بھی مر گیا اور پھر کوئی امتیازی نشان بھی نہیں ہے۔ ایک باغ جس کو اس کے مالی اور باغبان نے چھوڑ دیا، اسے بھلا دیا، اس کی آبپاشی کی اس کو فکر نہیں تو پھر نتیجہ ظاہر ہے کہ چند سال بعد وہ باغ خشک ہو کر بے ثمر ہو جائے گا اور اخر کار لکڑیاں جلانے کے کام میں لائی جاویں گی۔“

اصل میں ان کی اور ہماری نزاع لفظی ہے۔ مکالمہ مخاطبہ کا تو یہ لوگ خود بھی اقرار کرتے ہیں مجدد صاحب (سرہندی) بھی اس کے قائل ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ جن اولیاء اللہ کو کثرت سے خدا تعالیٰ کا مکالمہ مخاطبہ ہوتا ہے وہ محدث اور نبی کہلاتے ہیں۔ اچھا میں پوچھتا ہوں کہ ایک انسان خدا تعالیٰ سے خبر پا کر دنیا پر ظاہر کرے تو اس کا نام آپ لوگ عربی زبان میں بجز نبی کے اور کیا تجویز کرتے ہیں؟ عجیب بات ہے کہ اسی لفظ کے مفہوم کو اگر زبان اردو میں یا پنجابی میں بیان کیا جائے تو مان لیتے ہیں اور اگر عربی زبان میں پیش کریں تو نفرت اور انکار کرتے ہیں یہ تعصّب نہیں تو اور کیا ہے؟“

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 421-422)

مجھ سے مقابلہ خدا سے مقابلہ ہے

فرمایا:

”یاد رکھو جو مجھ سے مقابلہ کرتا ہے وہ مجھ سے نہیں بلکہ اُس سے مقابلہ کرتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اگر ادنیٰ چیز اسی کی ہتک کی جائے اور اس کی بات نہ مانی جائے تو گورنمنٹ سے ہتک کرنے والے یا نہ ماننے والے کو سزا ملتی ہے اور باز پرس ہوتی ہے۔ تو پھر خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والے کی بے عزتی کرنا اس کی بات کی پرواہ نہ کرنا کیوں کر خالی جاسکتا ہے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اگر میرا سلسلہ خدا کی طرف سے نہیں تو یونہی بگڑ جائے گا خواہ کوئی اس کی مخالفت کرے یا نہ کرے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قَدْ خَابَ مَنِ افْتَرَىٰ (طہ: 62) اور فرمایا مَنِ افْتَرَىٰ عَلٰی اللّٰهِ كَذِبًا (الانعام: 22) اور وہ شخص جو رات کو ایک بات بناتا اور دن کو لوگوں کو بتاتا اور کہتا ہے کہ مجھے خدا نے ایسا کہا ہے وہ کیوں کر با مراد اور بابرگ و بار ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے۔ وَ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ۔ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ۔ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ (الحاقہ: 45-47) جب ایک ایسے عظیم الشان انسان کے واسطے ایسا فرمان ہے تو پھر ادنیٰ انسان کے واسطے تو چھوٹی سی چھری کی ضرورت تھی اور کبھی کا فیصلہ ہو گیا ہوتا۔“

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 425-427)

پاکیزگی سے کیا مراد ہے

فرمایا:

”پاکیزگی سے یہ مراد ہے کہ انسان کو جو اُس کے جذباتِ نفسانیہ خدا تعالیٰ سے روح گرداں کر کے اپنی خواہشات میں محو کرنا چاہتے ہیں ان کا مغلوب نہ ہو اور کوشش کرے کہ خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق اس کی رفتار ہو۔ یہاں تک کہ اس کا کوئی قول فعل خدا تعالیٰ کی رضامندی کے بغیر سرزد ہی نہ ہو۔ خدا تعالیٰ قدوس اور پاک ہے وہ اپنی صفات کے مطابق ہی انسان کو بھی چلانا چاہتا ہے۔ وہ رحیم ہے انسان سے بھی رحم چاہتا ہے۔ وہ کریم ہے انسان سے بھی کرم جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی صفات خدا تعالیٰ کے قانونِ قدرت میں ظاہر ہیں۔ جسمانی طور سے ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا مدت ہائے دراز سے چلی آتی ہے۔ ان کو اناج، پانی، لباس، روشنی وغیرہ تمام حوائج ضروریہ اور لوازم انسانیہ ہمیشہ سے بہم پہنچاتا چلا آیا ہے اور ہمیشہ ہی اس کے رحم اور کرم کی صفات اور اسمائے حسنہ کے تقاضے ساتھ ساتھ مخلوق کی دستگیری کرتے چلے آئے ہیں۔ پس غرض یہ ہے کہ خدا تعالیٰ انسان کو اپنی صفات کے رنگ میں رنگین کرنا چاہتا ہے۔“

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 437-438)

ہمیں کیسے آدمیوں کی ضرورت ہے

فرمایا:

”ہمیں ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے۔ جو نہ صرف زبانی بلکہ عملی طور سے کچھ کر کے دکھانے والے ہوں علمیت کا زبانی دعویٰ کسی کام کا نہیں۔ ایسے ہوں کہ نخوت اور تکبر سے بگلی پاک ہوں اور ہماری صحبت میں رہ کر یا کم از کم ہماری کتابوں کا کثرت سے مطالعہ کرنے سے ان کی علمیت کامل درجہ تک پہنچی ہوئی ہو البتہ شیخ غلام احمد اس کام کے واسطے اچھا آدمی معلوم ہوا ہے۔ اس کے کلام میں بھی تاثیر ہے اور اخلاص و محبت سے اس نے اپنے اوپر اس شدتِ گرمی میں اتنا وسیع دورہ کرنے کا بوجھ اٹھایا ہے۔ کچھ خدا تعالیٰ کی حکمت ہے کہ لوگ اس کا کلام سننے کے واسطے جمع بھی ہو جاتے ہیں۔ ایک جگہ اس کو پتھر بھی پڑے مگر خدا تعالیٰ کی قدرت سے وہ پتھر بجائے ان کے کسی دوسرے کو لگا اور وہ زخمی ہوا۔ تبلیغ سلسلہ کے واسطے ایسے آدمیوں کے دوروں کی ضرورت ہے مگر ایسے لائق آدمی مل جاویں کہ وہ اپنی زندگی اس راہ میں وقف کر دیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ بھی اشاعتِ اسلام کے واسطے دُور دراز ممالک میں جایا کرتے تھے یہ جو چین کے ملک میں کئی کروڑ مسلمان ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی صحابہؓ میں سے کوئی پہنچا ہو گا اگر اسی طرح بیس یا تیس آدمی متفرق مقامات میں چلے جاویں تو بہت جلدی تبلیغ ہو سکتی ہے مگر جب تک ایسے آدمی ہمارے منشاء کے مطابق اور قناعت شعار نہ ہوں تب تک ہم ان کو پورے پورے اختیارات بھی نہیں دے سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ایسے قانع اور جفاکش تھے کہ بعض اوقات صرف درختوں کے پتوں پر ہی گزارا کر لیتے تھے۔ تمام ہندوستان ہمارے دعاوی سے ایسا بے خبر پڑا ہے کہ گویا کسی کو خبر ہی نہیں میرے نزدیک یہ مدرسہ یا کالج وغیرہ کا بنانا اول سلسلہ کی مضبوطی پر موقوف ہے اول چاہیے کہ سلسلہ میں ایسے لوگ ہوں جو سلسلہ کی ضروریات کی مدد کرنے والے ہوں جب

سلسلہ کی ضروریات مثلاً مثل لنگر وغیرہ ہی پوری نہیں ہوتیں تو اور کاموں میں بہت توجہ کرنا بھی بے فائدہ ہے۔ اگر کچھ ایسے لائق اور قابل آدمی سلسلہ کی خدمات کے واسطے نکل جاویں جو فقط لوگوں کو اس سلسلہ کی خبر ہی پہنچادیں تو بھی بہت بڑے فائدہ کی توقع کی جاسکتی ہے۔“

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 441-442)

عورتوں کو گھریلو تعلقات کے حوالے سے نصائح

فرمایا:

”والدہ کا حق بہت بڑا ہے اور اُس کی اطاعت فرض مگر پہلے یہ دریافت کرنا چاہئے کہ آیا اس ناراضگی کی تہہ میں کوئی اور بات تو نہیں ہے جو خدا کے حکم کے بموجب والدہ کی ایسی اطاعت سے بری الزمہ کرتی ہو مثلاً اگر والدہ اُس سے کسی دینی وجہ سے ناراض ہو یا نماز روزہ کی پابندی کی وجہ سے ایسا کرتی ہو تو اُس کا حکم ماننے اور اطاعت کرنے کی ضرورت نہیں اور اگر کوئی ایسا مشروع امر ممنوع نہیں ہے جب تو وہ خود واجب الطلاق ہے۔

اصل میں بعض عورتیں محض شرارت کی وجہ سے ساس کو دکھ دیتی ہیں۔ گالیاں دیتی ہیں۔ ستاتی ہیں۔ بات بات میں اُس کو تنگ کرتی ہیں۔ والدہ کی ناراضگی بیٹے کی بیوی پر بے وجہ نہیں ہو کرتی سب سے زیادہ خواہشمند بیٹے کے گھر کی آبادی کی والدہ ہوتی ہے اور اس معاملہ میں ماں کو خاص دلچسپی ہوتی ہے۔ بڑے شوق سے ہزاروں روپیہ خرچ کر کے خدا خدا کر کے بیٹے کی شادی کرتی ہے تو بھلا اُس سے ایسی امید وہم میں بھی آسکتی ہے کہ وہ بے جا طور سے اپنے بیٹے کی بہو سے لڑے جھگڑے اور خانہ برداری چاہے۔ ایسے لڑائی جھگڑوں میں عموماً دیکھا گیا ہے کہ والدہ ہی حق بجانب ہوتی ہے۔ ایسے بیٹے کی بھی نادانی اور حماقت ہے کہ وہ کہتا ہے کہ والدہ تو ناراض ہے مگر میں ناراض نہیں ہوں جب اُس کی والدہ ناراض ہے تو وہ کیوں ایسی بے ادبی کے الفاظ بولتا ہے کہ میں ناراض نہیں ہوں۔ یہ کوئی سوکنوں کا معاملہ تو ہے نہیں۔ والدہ اور بیوی کے معاملہ میں اگر کوئی دینی وجہ نہیں تو پھر کیوں یہ ایسی بے ادبی کرتا ہے۔ اگر کوئی وجہ اور باعث اور ہے تو فوراً اُسے دور کرنا چاہیے۔ خرچ وغیرہ کے معاملہ میں اگر والدہ ناراض ہے اور یہ بیوی کے ہاتھ میں خرچ دیتا ہے تو لازم ہے کہ ماں کے ذریعہ سے خرچ کر اے اور کل انتظام والدہ کے ہاتھ میں دے۔ والدہ کو بیوی کا محتاج اور دست نگر نہ کرے۔

بعض عورتیں اوپر سے نرم معلوم ہوتی ہیں مگر اندر ہی اندر وہ بڑی بڑی نیش زیناں کرتی ہیں۔ پس سب کو دُور کرنا چاہیے اور جو وجہ ناراضگی ہے اُس کو ہٹا دینا چاہئے اور والدہ کو خوش کرنا چاہئے۔ دیکھو! شیر اور بھیڑیئے اور درندے بھی تو ہلائے سے ہل جاتے ہیں اور بے ضرر ہو جاتے ہیں۔ دشمن سے بھی دوستی ہو جاتی ہے اگر صلح کی جاوے تو پھر کیا وجہ ہے کہ والدہ کو ناراض رکھا جاوے۔

ایک شخص کی دو بیویاں تھیں۔ بیویوں میں باہم نزاع ہو جانے پر ایک بیوی خود بخود بلا اجازت اپنے گھر میکے چلی گئی۔ وہ شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں طلاق دے دوں۔ میں نے سوچا کہ یہ معاملات بہت باریک ہوتے ہیں۔ سوکن کو بڑی بڑی تنخیاں اٹھانی پڑتی ہیں اور بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ بعض عورتیں اپنی مشکلات کی وجہ سے خود کشی کر لیتی ہیں۔ جس طرح سے دیوانہ آدمی مرفوع القلم ہوتا ہے اسی طرح سے یہ بھی ایسے معاملات کی وجہ سے مرفوع القلم اور واجب الرحم ہوتی ہیں کیونکہ سوکن کی مشکلات بھی دیوانگی کی حد تک پہنچا دیتی ہیں۔

اصل بات یہ تھی کہ وہ شخص خود بھی دوسری بیوی کی طرف ذرا زیادہ التفات کرتا تھا اور وہ بیوی بھی اس بیچاری کو کوستی اور تنگ کرتی تھی۔ آخر مجبور ہو کر اور ان کی مشکلات کی برداشت نہ کر کے چلی گئی۔ چنانچہ اُس شخص نے خود اقرار کیا کہ واقعی یہی بات تھی اور اپنے ارادے سے باز آیا۔ ایسے قصوروں کو تو خود خدا تعالیٰ بھی معاف کر دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے لَا تُحَدِّثْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ (البقرہ: 287) ہے جو امر فوق الطاق اور ناقابل برداشت ہو جاوے اُس سے خدا بھی درگزر کرتا ہے۔ دیکھو! حضرت ہاجرہ کا واقعہ بھی ایسا ہی ہے جو کہ مومنین کی دادی تھی پہلی مرتبہ جب وہ نکالی گئی تو فرشتہ نے اُسے آواز دی اور بڑی تسلی دی اور اُس سے اچھا سلوک کیا مگر جب دوسری مرتبہ نکالی گئی تو سوکن نے کہا کہ اس کو ایسی جگہ چھوڑو جہاں نہ دانہ ہو نہ پانی۔ اُس کی غرض یہی تھی کہ وہ اس طرح سے ہلاک ہو کر نیست و نابود ہو جائے گی اور حضرت ابراہیم کا ایسا منشاء نہ تھا مگر خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو کہا کہ اچھا جس طرح یہ کہتی ہے اسی طرح کیا جاوے اور سارہ کی بات کو مان لے۔

اصل میں بات یہ تھی کہ خدا تعالیٰ کا منشاء قدرت نمائی کا تھا۔ توریت میں یہ قصہ مفصل لکھا ہے۔ بچے جب بوجہ شدت پیاس رونے لگا تو بی بی ہاجرہ پہاڑ کی طرف پانی کی تلاش میں ادھر ادھر گھبراہٹ سے دوڑتی بھاگتی پھرتی رہی مگر جب دیکھا کہ اب یہ مرتا ہے تو بچے کو ایک جگہ ڈال کر پہاڑ کی چوٹی پر دُعا کرنے لگ گئی کیونکہ اُس کی موت کو

دیکھ نہ سکتی تھی۔ اسی اثناء میں غیب سے آواز آئی کہ ہاجرہ! ہاجرہ! لڑکے کی خبر لے وہ جیتا ہے۔ آکر دیکھا تو لڑکا جیتا تھا اور پانی کا چشمہ جاری تھا۔ اب وہی کنواں ہے جس کا پانی ساری دنیا میں پہنچتا ہے اور بڑی حفاظت اور تعظیم اور شوق سے پیا جاتا ہے۔ غرض یہ سارا معاملہ بھی سوکنوں کے باہمی حسد و ضد کی وجہ سے تھا۔“

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 192-195)

اللہ تعالیٰ ہمیں ان نصائح پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(کمپوزر: فرح سید۔ برطانیہ)

